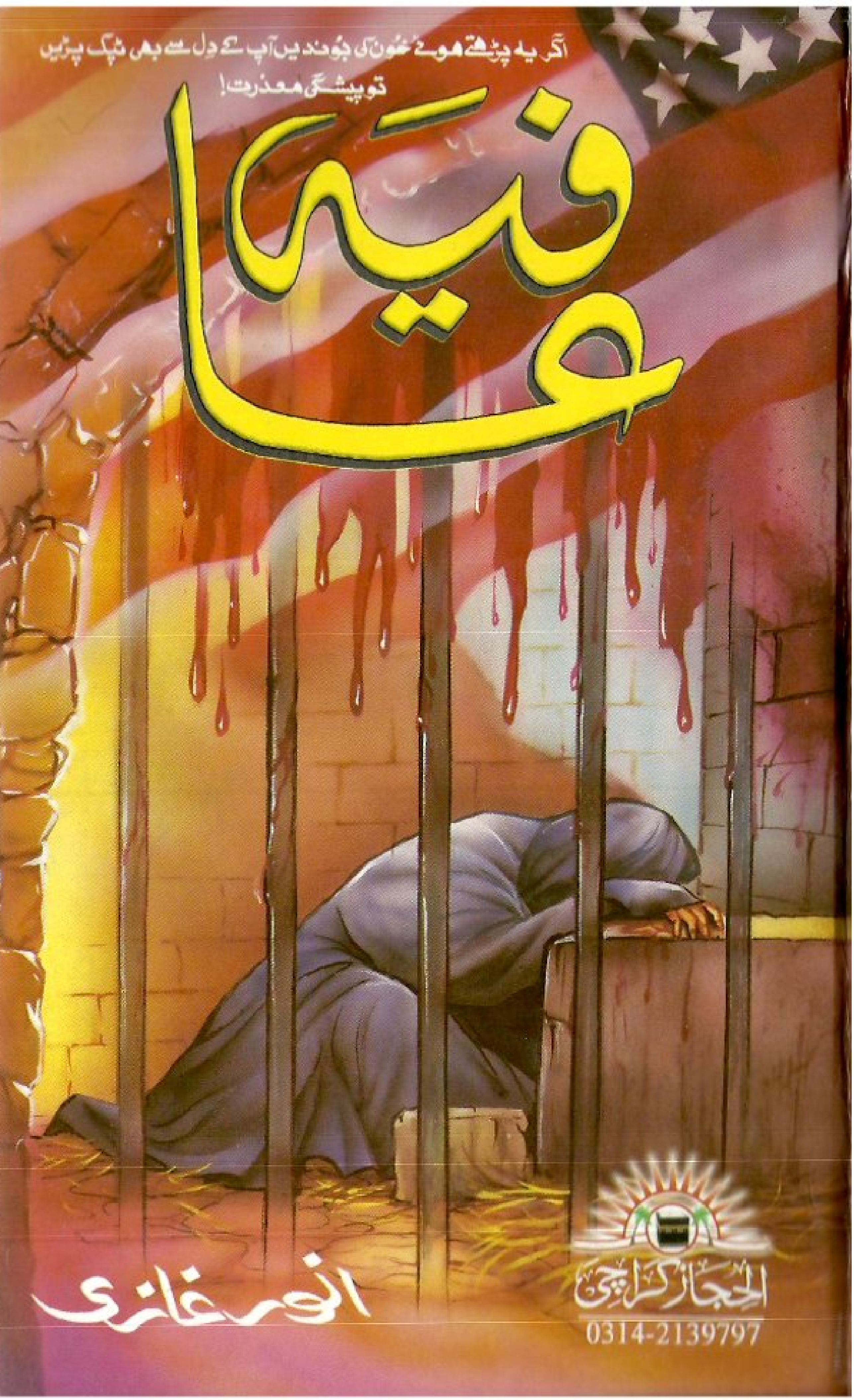
اگر یہ پڑھتے ہوئے خون کی بوندیں آپ کے دل سے بھی ٹپک پڑیں
تو پیشگی معذرت!
عافیہ
انور غازی
الحجاز کراچی
0314-2139797

انتساب

ماں بیٹی کے نام

اس کی ماں کو وہ دن کل کی طرح یاد ہے جب فرشتوں کی سی معصومیت لیے ننھی عافیہ اس کی گود میں آئی تھی۔ سب سے چھوٹی ہونے کے ناتے گھر بھر کی لاڈلی، باپ کی آنکھوں کی رونق، ماں کی راج دلاری، بھائی کا کھلونا اور بہن کی گڑیا تھی۔ جوں جوں بڑی ہوتی گئی اس کی پیاری عادتوں، خوش خصالی، عمدہ اطوار اور شائستہ اخلاق نے ہر کسی کو گرویدہ کر دیا۔ گھر کے نوکر بھی ''چھوٹی بی بی'' پر جان چھڑکتے اور دم بھرتے تھے۔

اسکول گئی تو ایسی ہوشربا کارکردگی دکھائی کہ استاد دم بخود اور دنیا والے ششدر رہ گئے۔ سالانہ تقریب میں جب وہ اعلیٰ ترین کارکردگی کے فقید المثال مظاہرے پر میڈلز، شیلڈز اور سرٹیفکیٹس سے لدی پھدی اسٹیج سے اُتر کر ماں باپ کی طرف آئی تو ہر طرف سے ستائش، داد و تحسین کے ڈونگرے برساتی ہر رشک نگاہوں سے گھبرا کر ماں جلدی جلدی چاروں قل پڑھ کر اس پر پھونک مارتی اور دہلتے دل سے کہتی: ''یا اللہ! میری بچی کو نظر بد سے بچانا۔''

کامیابیوں کی منزلوں پر منزلیں مارتی عافیہ دنیا کی سب سے بہترین یونیورسٹی MIT جا پہنچی۔ اب اس کا دل زوال پذیر اُمت مسلمہ کے دکھوں پر پھوڑے کی طرح دکھنا شروع ہو گیا۔ اس نے ایک ایسا تعلیمی پلان بنایا جس پر چل کر چند سال میں اُمت مسلمہ کی تقدیر بدل سکتی تھی۔ اُمت کے دشمنوں، بدخواہوں اور شر و فساد کے پجاریوں سے یہ گوہر نایاب کہاں چھپ سکتا تھا؟

سازشوں کے جال بن دیے گئے۔ بدی اور شر کی قوتیں حرکت میں آئیں۔ ظالموں نے اُمت کی بیٹی کو اس کی قابلیتوں اور دردِ دل کی کڑی سزا دینے کا فیصلہ کر دیا اور پھر شیطان صفت طاغوت اکبر نے اُمت کی بیٹی کو وہ سزا دی کہ سننے والے پتھر دل کے بھی رونگٹے کھڑے ہو جائیں۔

ماں کی آنکھوں سے سارے خواب نوچ پھینکے...... بہن کی گڑیا کو توڑ پھوڑ ڈالا...... بھائی کا کھلونا کرچی کرچی ہو گیا...... اس ننھی جان پر وہ ظلم کے پہاڑ توڑے گئے کہ سنانے کا حوصلہ نہیں اور سننے کا یارا نہیں۔ یہ کتاب اس ماں بیٹی کے نام ہے اور یہ داستان لکھتے لکھتے میری اُنگلیاں لہولہان ہو گئیں۔ اگر کتاب پڑھتے ہوئے اس خون کی چند بوندیں آپ کے دل سے بھی ٹپک جائیں تو اس تکلیف پر غمزدہ مصنف آپ سے پیشگی معذرت خواہ ہے۔

☆☆☆

حرفِ اوّل

......اور وہ خاموش ہو گئی

کتاب پوری ہو چکی تھی۔ لکھی جا چکی تھی۔ میں پروگرام بنا رہا تھا کسی دن مسودہ لیے ''عصمت'' کی خدمت میں حاضر ہوں گا اور درخواست کروں گا کہ میں نے اپنی بہن عافیہ کی رہائی اور قوم کو جھنجھوڑنے کے لیے خونِ جگر سے یہ کتاب لکھی ہے۔ آپ چند کلمات تبریک لکھ دیجیے، لیکن اچانک اطلاع ملی کہ عصمت پر فالج اور اسٹروک کا شدید حملہ ہوا ہے۔ طبیعت بہت بگڑ گئی ہے۔ انتہائی تشویش ناک صورتِ حال ہے۔ دماغ کی شریان پھٹنے کا خطرہ ہے۔ برین ہیمبرج اور لقوے کا اندیشہ ہے۔ شاید دل کا دورہ بھی پڑا ہے۔ موت وحیات کی کشمکش میں ہیں۔ جتنے منہ اتنی باتیں تھیں۔ ''اس زیاں خانے میں تیرا امتحاں ہے زندگی'' عصمت کی صحت اور زندگی کے لیے میسج پر میسج چل رہے تھے۔

میرا دل دھڑک رہا تھا۔ میں دل ہی دل میں ہر میسج کی آمد کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے اس عظیم خاتون، اعلیٰ وارفع نسبت رکھنے والی صدیقی خاندان کی چشم و چراغ، بہادر، نڈر، قابلِ تقلید اور مثالی ماں کی زندگی کی بھیک مانگ رہا تھا۔

اگلے دِن صبح سویرے کتاب کا مسودہ بغل میں دبائے، ہاتھ دُعا کے لیے اُٹھائے آغا خان ہسپتال کی طرف چل دیا۔ بوجھل قدموں سے ہسپتال کے مین گیٹ سے داخل ہوا۔ میرے ذہن کے نہاں خانوں میں بیسیوں قسم کے خیالات گردش کر رہے تھے۔ عصمت کی بیماری کی خبر نے چکرا کر رکھ دیا تھا۔ میں کبھی عصمت کی جوان بیٹی عافیہ کے بارے میں سوچتا اور کبھی عافیہ کی ضعیف

ماں عصمت کے بارے میں۔

میں ''آئی سی یو'' کی طرف جا رہا تھا اور میرے ذہن میں مختلف خیالات گردش کر رہے تھے۔ میں نے سوچا بے شک ''وجودِ زن سے ہے کائنات میں رنگ۔'' عورت دنیا پر فطرت و قدرت کا وہ عظیم تحفہ ہے جس کے بغیر دنیا کا حسن و جمال اور زندگی ادھوری ہے۔ گھر اور کون و مکاں کی زینت نامکمل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے لوگوں کی ہدایت کے لیے جو پیغام...... قرآن...... بھیجا۔ اس میں جا بجا عورت کے ساتھ اُلفت، محبت، نرمی اور رحم دلی کی تلقین کی ہے۔ کائنات کے دُلہا، رحمت کائنات، سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم جب اس دنیا سے پردہ فرما رہے تھے تو زبان مبارک پر دو ہی باتیں تھیں: ''نماز کا اہتمام کرو اور عورتوں کے حقوق کا خیال رکھو۔''

عورت...... جی ہاں عورت...... جسے سب سے اعلیٰ و ارفع انسان کی ماں بننے کا اعزاز حاصل ہے۔ حیا، عفت، عصمت اور دل کی صفائی اس میں کوٹ کوٹ کر بھر دی گئی ہے۔

میں نے سوچا کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ باغ میں ایک نہایت عمدہ کلی کھلتی ہے۔ بہت خوشبودار، بہت مفید، بہت ہی جاذب نظر، مگر کبھی ایسا ہوتا ہے موسم اچانک خراب ہو جاتا ہے۔ طوفان آ جاتے ہیں۔ خزاں کی بادِ سموم چل جاتی ہے۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے زمین قدرتی آفات کی زد میں آ جاتی ہے۔ نمکیات کی سطح بڑھ جاتی ہے۔ پانی کے سوتے خشک ہو جاتے ہیں۔ پس وہ کلی جو زمین و آسمان کی ہزاروں قدرتی طاقتوں اور اسباب کی کڑیوں کے جڑنے سے وجود میں آئی تھی، ان آفات کی تاب نہیں لا پاتی اور پروان چڑھے بغیر دم توڑ دیتی ہے۔ بن کھلے ہی مرجھا جاتی ہے۔ حسرت ہوتی ہے ان غنچوں اور کلیوں پر جو بن کھلے مرجھا جاتی ہیں۔

میں نے سوچا کہیں ایسا تو نہیں کہ عافیہ کے غم اور صدمے نے عصمت کو نڈھال کر دیا ہے۔ عافیہ کا غم عصمت کی جان کے درپے ہو رہا ہے...... اور کہیں ایسا نہ ہو کہ سات سمندر پار قید میں عافیہ اپنی پیاری ماں اور ممتا کا صدمہ برداشت نہ کر سکے اور وہ بھی......

یہ سوچ آتے ہی میں نے خیالات کے سامنے بند باندھتے ہوئے عافیہ اور عصمت...... ماں بیٹی کی صحت اور زندگی کے لیے ہاتھ اُٹھا لیے۔ میری آنکھوں نے ساون بھادوں برسا دیا۔ میں

ہچکیاں لے لے کر رونے لگا۔ عصمت میری کچھ بھی نہیں لگتی، مگر اس کی بیماری اور اچانک فالج کے حملے نے مجھے اُداس، پریشان اور مغموم کر دیا۔ میں گزشتہ رات بستر پر کروٹیں بدلتا رہا۔ نیند میری آنکھوں سے کوسوں دور رہی۔ رات بھر اللہ تعالیٰ سے زندگی اور صحت کی دُعائیں مانگتا رہا۔ عافیہ کی رہائی کے اسباب پر سوچتا رہا اور غور و فکر کرتا رہا۔

عصمت کو اپنی 30 سالہ ذہین و فطین، لائق فائق اور غیر معمولی صلاحیتوں کی مالک بیٹی عافیہ سے ڈھیروں توقعات وابستہ تھیں، لیکن ظالموں، سفاکوں اور درندوں نے عافیہ کو گرفتار اور قید کر کے عصمت کی امیدوں پر پانی پھیر دیا، بلکہ جیتے جی مار دیا۔ زندہ درگور کر دیا۔ کانٹوں سے دامن بھر دیا۔ غموں کی بارات بھیج دی۔ گلوں بھری زندگی کو خاروں کی سیج بنا دیا۔ نجانے کیا کیا سوچتا ہوا میں آغا خان ہسپتال کے ایمرجنسی وارڈ تک پہنچا۔

یہاں پر مجھے بہت سے شناسا چہرے نظر آئے۔ میں راستہ بناتا ہوا جا رہا تھا تاکہ ایک نظر زندہ عصمت پر ڈال سکوں۔ عصمت قدرے ہوش میں تھی۔ اردگرد بہت سے وزراء اور اعلیٰ سطح کے لوگ، ان کے سیکرٹری، سماجی تنظیموں اور این جی اوز کے رہنما قطار میں پھولوں کے ٹوکرے، گلدستے اور تحفے تحائف لیے کھڑے تھے۔ میں نے دیکھا وزیر اعظم کا ایک نمائندہ مزاج پرسی کے لیے آیا ہوا ہے۔ ہاتھوں میں رنگ برنگے اور قسما قسم پھولوں کا ٹوکرا لیے ہوئے ہے۔ دائیں طرف دیکھا تو گورنر کا سیکرٹری کھڑا ہے۔ اس کے قریب وزیر اعلیٰ کا نمائندہ ہے۔ میاں نواز شریف، الطاف حسین، عمران خان اور دیگر سیاسی جماعتوں سے وابستہ افراد پھول اور گلدستے لیے ہوئے ہیں۔ بیسیوں این جی اوز کی طرف سے پھول بھجوائے گئے تھے۔

اظہار ہمدردی کے لیے آنے والوں سے ہسپتال کا لان کھچا کھچ بھرا تھا۔ تل دھرنے کو جگہ نہ تھی۔ میں حیران و پریشان تھا کہ لوگ کس قدر دورنگے ہیں۔ گرگٹ کی طرح رنگ بدلتے رہتے ہیں۔ زندگی میں قدر نہیں کرتے۔ بلکہ دکھوں پر دکھ دیے چلے جاتے ہیں۔ اب دیکھیں عافیہ کی والدہ عصمت کو حکمرانوں نے کس طرح پریشان کیا۔ عصمت کی بیٹی ناحق گرفتار ہوئی۔ پانچ سال تک غائب رہی۔ بگرام کے عقوبت خانے میں تاریخ کا بدترین ظلم و تشدد کیا جاتا رہا۔ اب تین

سال سے امریکا میں 86 سال کی قید تنہائی گزار رہی ہے۔ کوئی نہیں ہے جو عصمت کی پھول سی ذہین و فطین بیٹی کو رہائی دلوا کر عصمت کو خوش کرے۔

عافیہ کی رہائی سے عصمت کے دُکھ اور غم ختم ہوں گے۔ پھولوں کی ٹوکریاں پیش کرنے سے غم کبھی ہلکا نہیں ہو سکتا۔ عصمت کی پائنتی پر کھڑا جب میں یہ باتیں ایک وفاقی وزیر کے سیکرٹری سے کر رہا تھا تو اچانک عصمت نے دھیرے دھیرے آنکھیں کھولیں۔ آہستہ آہستہ ہونٹوں کو جنبش ہوئی، لیکن کچھ سنائی دیا نہ ہی سمجھ آیا۔ پھر آنکھیں موند لیں۔ ہم آپس میں چہ مگوئیاں کرنے لگے۔ ہونٹوں کی جنبش کو سمجھنے کی کوشش کرنے لگے۔

میں نے کہا: ''عصمت صاحبہ نے میری بات کی تائید کی ہے کہ ان کا غم، صدمہ اور دکھ پھولوں کی ٹوکریوں اور رنگ برنگے گل دستوں سے ختم نہیں ہوگا بلکہ عصمت کی زندگی کو سہارا عافیہ کی واپسی اور رہائی سے ہوگا۔ شاید ہمارے مکالمے کی آواز عصمت کے کانوں تک پہنچ رہی تھی۔ تھوڑی دیر بعد عصمت نے پھر آنکھیں کھولیں۔ اِدھر اُدھر دیکھا۔ یوں معلوم ہوتا تھا جیسے کسی سے مخاطب ہونا چاہتی ہیں یا کچھ طلب کر رہی ہوں۔ ہونٹوں کو جنبش ہوئی۔ آہستہ سے آواز آئی۔ بیٹا تم صحیح کہتے ہو۔ تمھاری بات میں سچائی اور صداقت ہے۔

میں نے موقع کو غنیمت سمجھتے ہوئے اپنے بغل میں دبے کتاب کے مسودے کو عصمت کے قدموں میں رکھ دیا اور کہا: ''ماں جی، خالہ جی! میں نے اپنی مسلمان بہن عافیہ کا درد سینے میں بسا کر یہ کتاب لکھی ہے۔ اس میں قوم کی بیٹی، عالم اسلام کی بیٹی، آپ کی بیٹی...... کا مقدمہ ہے۔ 19 کروڑ ہم وطنوں اور سوا دو ارب ہم مذہب کلمہ گو مسلمانوں کے دلوں کی ترجمانی ہے۔ میں اپنی بہن عافیہ کی رہائی تک مشن بنا کر مختلف طریقوں سے آواز بلند کرتا رہوں گا۔ میں مرتے دم تک، خون کے آخری قطرے تک، آخری سانس تک، اپنی بہن کے لیے کلمۂ حق لکھتا رہوں گا۔ کبھی تو کوئی محمد بن قاسم اُٹھے گا۔ کبھی تو کسی کی غیرت جاگے گی۔ کبھی تو ظلم کی رات ختم ہوگی۔ کبھی تو انصاف کا بول بالا ہوگا۔ کبھی تو وقت کے ''راجہ داہر'' کو کوئی للکارے گا۔ کبھی تو......'' میں بولے ہی چلا جا رہا تھا۔

میں کتاب کا مسودہ لے کر آغا خان ہسپتال کے ICU وارڈ میں غموں کی ماری، دکھیاری ممتا

عصمت صدیقی کی پائنتی کھڑا تھا۔ نیم بے ہوش عصمت کے ہونٹ پھڑ پھڑائے۔ میں نے سننے کی کوشش کی تو ممتا کی دکھ بھری آواز سن کر دل کٹ گیا...... وہ کہہ رہی تھی: ''عافیہ ضرور آئے گی۔'' میں نے آنسو پیتے ہوئے بڑے صدقِ دل سے کہا: ''ان شاء اللہ ضرور۔'' ''آپ بھی کہہ دیجیے: ''ان شاء اللہ ضرور۔''

عصمت آبدیدہ تھیں۔ پھر انہوں نے لرزتے ہاتھوں سے مسودہ لیا۔ نم آنکھوں سے لگایا۔ کپکپاتے ہونٹوں سے چوما۔ مجھے مخاطب کیا۔ آنکھوں میں تشکر کے آنسو تھے۔ پھر دھیمی دھیمی آواز سے گویا ہوئی: ''بیٹا! عافیہ آئے گی...... ضرور آئے گی...... عافیہ کبھی نہ کبھی واپس آئے گی...... وہ ضرور آئے گی...... لیکن......'' اور وہ خاموش ہوگئی!

انور غازی، کراچی

25 جنوری 2012ء